اسلامی تعلیمات کے تناظر میں بیوی کے خانگی کردار کا تصور

* کلثوم پراچہ

** محمد اکرم رانا

Abstract

According to Islamic teachings a married couple has equalent responsibilities in patrorage (رعی) of thier family matters and they put thier duties into practice with the principle of work-sharing. The article highlights the theme with domistic role of a wife. Islamic concept of marriage contract is based on good companionship (معاشرة بالمعروف) instead on a wife's exploitation by her husband. Therefore, it is the repoonsibility of a husband to provide a servant to his wife in helping to run the home, according to his financial capacity. A wife has discretion to run domistice matters on her own will as well as she has rihgt to go outside the home to meet her parents and nearest relatives and look after them if they need, or to fulfil other essential personal or social assignments. The matter of fact is that a domistic system in Islamic prespective, is based on married couple's mutual understandings instead on a husband's authoritative role or on applying pressure on a wife.

Keywords: *Domistic affiars, wife's role, marriage companionship.*

اسلام میں فضیلت عنداللہ کا تمام تر مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے اور درجات کی ترقی وتنزلی ایمان وعمل کے درجات کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے حسب تصریح آیات وروایات بعض عورتیں اپنی اطاعت وعبادت کے ذریعے بہت سے مردوں پر فائق قرار پائیں۔ اُن کا درجہ بہت سے مردوں سے بڑھ جائے گا۔ گویا اساسی حوالہ سے شرعی احکام اورانسانی اعمال کی قدر وقیمت اور جزاء وسزا کے حوالہ سے مرد وعورت کی دونوں اصناف بالکل برابر ہیں تاہم قرآن حکیم نے بالعموم مردوں کو مخاطب کر کے احکام الٰہی سے آگاہ کیا اور مذکر کے لئے استعمال ہونے والے

*اسسٹنٹ پروفیسر، میمونہ پوسٹ گریجوایٹ کالج، ملتان

*پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

الفاظ کے سانچے (صیغے) استعمال کیے ہیں۔

اس حوالہ سے مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: (1)

یہ بات صرف قرآن کریم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ عام طور پر حکومتوں کے قوانین میں بھی صیغے، مذکر کے استعمال کیے جاتے ہیں، حالانکہ قانون مرد وعورت کے لئے عام ہوتا ہے۔ گویا یہ محض یہ ایک سماجی اسلوب بیان ہے۔ اس کا صنفی تفریق سے کوئی تعلق نہیں اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا اظہار کیا کہ قرآن حکیم کے اسلوب بیان میں تذکیر کے صیغے غالب ہیں تو سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نازل ہوگئی۔

''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا'' (الاحزاب، 35:33)

''بلاشبہ مسلم مرد اور مسلم عورتیں، اور مؤمن مرد اور مومن عورتیں ، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کہ اللہ نے ان (سب) کے لئے مغفرۃ اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا مستقل ذکر کر کے واضح کر دیا گیا کہ بنیادی فرائض میں دونوں اصناف یکساں حیثیت رکھتی ہیں۔

ایک اور آیت مبارکہ ہے:

''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ''(النحل،97:16)

''جو مرد و عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے،

اور ہم ان کو ان کا اجر ان کے کیے گئے اچھے کام کا دیں گے۔''

اسی مفہوم کی ایک اور آیت مبارکہ ہے:

''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی

بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ ''(آل عمران،195:3)

حضرت عائشہ صدیقہؓ، رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتی ہیں جس سے قرآن حکیم کے مضمون کی تائید ہوتی ہے:

''انما النساء شقائق الرجال''(2) (عورتیں، مردوں کی ہم پلہ ہیں۔)

حدیث کی وضاحت میں امام ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

''ان النساء والرجال شقيقان ونظيران لا يتفاوتان ولا يتباينان فی ذالک وهذا يدل على أنه من المعلوم الثابت فی فطرهم ان حكم الشقيقين والنظرين حكم واحد''(3)

(بلاشبہ خواتین و حضرات ہم پلہ اور ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ اس میں دونوں کے مابین کوئی تفاوت اور تضاد نہیں ہے اور یہ ان کی فطرت سے ثابت شدہ معلوم حقیقت کی دلیل ہے کہ دو ہم پلہ اور مماثل چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔)

علامہ ابن عابدین الشامی نے حدیث کا دائرہ کار متعین کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لأن النساء شقائق الرجال فی التكاليف''(4)

''خواتین، شرعی ذمہ داریوں کے مکلّف اور پابند ہونے میں مردوں کی ہم پلہ ہیں۔''

انسان خواہ مرد ہو یا عورت چونکہ فطری طور پر اجتماعیت پسند ہے اس لئے وہ دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز خاندانی نظام سے کرتا ہے اور خود بھی خاندانی نظام تشکیل دیتا ہے اور یہی نظام مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے معاشرہ کا روپ دھارتا ہے۔ انسانی اجتماع کے تمام ادارے تقسیم کار کے اصول پر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر ادارہ کے عناصر کے مابین بھی فرائض و اختیارات کی متوازن تقسیم ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کہیں باہمی مفاہمت سے وجود میں آتی ہے اور کہیں اس حوالہ سے فطری تقاضوں سے مدد لی جاتی ہے۔

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ اس ضمن میں رہنمائی دیتی ہے:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''(البقرۃ،228:2)

قرآن حکیم کی اس آیت میں عورتوں کے حقوق وفرائض میں مماثلت کا ذکر ہے یعنی یہ درست نہیں کہ فرائض کا بوجھ زیادہ ہو اور حقوق اس کے مقابلہ میں نہ ہوں یا کم ہوں اور اس سلسلہ میں عرف وعادت اور عصری تقاضوں کے مطابق حقوق وفرائض میں توازن رکھنا نہ صرف معاشرتی تقاضا ہے بلکہ قرآنی منشا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے اس ضمن میں ''معروف'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مفہوم امام بیضاوی نے قانونی قواعد وضوابط کی پابندی کرنا اور مروجہ قانون انسانیت سے ہم آہنگ ہونا بیان کیا ہے۔(5)

آیت مذکورہ میں عورتوں کے حقوق کا ذکر مردوں کے حقوق سے مقدم ہے کیونکہ عمومی روش یہی ہے کہ مرد تو اپنی قوت اور خداداد تفوق کی بناء پر عورت سے اپنے حقوق وصول کر ہی لیتا ہے۔اصل فکر عورت کے حقوق کی ہے کہ وہ عادتاً اپنے حقوق کی وصولی میں طاقت استعمال نہیں کرسکتی۔اس لئے اہتمام کے ساتھ خواتین کے حقوق کا ذکر کیا گیا اس لئے مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں مسابقت کرنا چاہیے۔(6)

دراصل انسانی زندگی دو طرح کے رویوں کا مجموعہ ہے، فعالی رویے اور انفعالی رویے۔ان دونوں کے حسین امتزاج سے معاشرہ نہ صرف تشکیل پاتا ہے بلکہ ترقی بھی کرتا ہے۔خاندانی نظام معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے جو مرد وعورت کے مابین عائلی معاہدہ سے وجود میں آتی ہے۔عام طور پر عورت میں انفعالی رویے غالب ہوتے ہیں۔ جب کہ مرد میں زیادہ رجحان فعالی رویوں کی طرف ہوتا ہے اور دونوں رویے ایک دوسرے سے مل کر سماجی توازن پیدا کرتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ کی رائے میں، عورت طبعی طور پر بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی زیادہ سوجھ بوجھ رکھتی ہے۔اس میں جذباتی کیفیت کے غلبہ کے سبب سبک اندیشی ہوتی ہے اور بوجھل کاموں سے ہچکچاہٹ زیادہ ہوتی ہے، اس میں حیاء کا خلق زیادہ غالب ہوتا ہے اور اس میں گھر مستقل رہنے کا مزاج زیادہ ہوتا ہے۔ نیز باریک باریک کاموں کے کرنے کی زیادہ مہارت ہوتی ہے اور معاملات میں ہدایات قبول کرنے کی زیادہ اہلیت ہوتی ہے، جب کہ اس کی نسبت مرد جذبات کے مقابلہ میں عقل اور دوراندیشی میں زیادہ صائب ہوتا ہے اور دفاع کے حوالہ سے اس میں زیادہ شدت ہوتی ہے۔ وہ مشکل کاموں میں دخیل ہونے کی زیادہ جرأت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ غلبہ پانے، بحث ومباحثہ اور غیرت جیسے امور میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ یوں مرد وعورت کی زندگی ایک دوسرے کے بغیر

ناممکل ہے اور وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے الفاظ یوں ہیں:

’’وكانت المرأة اهداهما للحضانة بالطبع، وأخفهما عقلا، واكثرهما انحجاما من المشاق، وأتمهما حياء ولزوما للبيت، وأحذ قهما سعيا فى محقرات الامور واوفرهما انقيادا وكان الرجل أسدهما عقلا، وأشدهما ذباعن الذمار وأجرأهما على الاقحام فى المشاق، وأتمها تيها وتسلطا ومناقشة وغيرة فكان معاش هذه لاتتم الا بذاك ، وذاك يحتاج الى هذه‘‘(7)

ان متنوع رویوں کے حامل دومختلف اصناف کے درمیان جب ازدواجی معاہدہ تشکیل پاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں فطری تقسیم کار وجود میں آتی ہے۔ جس میں زوجین کی حیاتیاتی ساخت کوملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہوتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر محمد یوسف عبد لکھتے ہیں:

’’فهيكل المرأة ونظام جسمها يركب كله تركيبا تستعد به لولادة الولد وتربيته وينمو جسمها وينشأ حتى فى سن البلوغ لتكميل ذلك الاستعداد فيها ويعروها الحيض، والحمل، والرضاع وما الى ذلك من شئونها الطبيعية الخاصة، واما هيكل الرجل ونظام جسمه فيكون على نحويتوافق اعماله الطبيعية تحمل مشقة الكسب وأعباء الامن والدفاع عن الاهل والبلاد والقضاء وما الى ذلك من الاعمال الثقيلة، وعلى هذا فالرجل اقوى من المرأة من حبث البنية الجسدية، والتكوين البدنى وقد راعى الاسلام ضعفها هذا فدافع عنها وبين حقوقها بصفة محدودة لايستطيع ان يتعداها بدون عقاب من النظام اومن الله تعالىٰ، واسقط عنها واجب الجهاد فى سبيل الله فليس عليها ان تكون احد الغزاة اوجنود السرية، ولا ان ترابط فى الثغور، وحفرالسواحل لان هذا يتنا فى طبيعتها الجسمية ويصطدم بواجبتها الفطرية‘‘(8)

(عورت کا ڈھانچہ اور اس کا جسمانی نظام اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے بچہ کی ولادت اور تربیت کی استعداد رکھتی ہے اور اس کی جسمانی نشوونما، سن بلوغ میں اسی استعداد کی تکمیل کے لئے ہوتی رہتی ہے اور اسے حیض، حمل، دودھ پلانے جیسے خاص طبعی امور پیش آتے ہیں اور مرد کا ڈھانچہ اور اس کا جسمانی نظام

اس سے ہم آہنگ ہوتا ہے جو اس کے طبعی امور ہیں۔ جیسے کمانے کی مشقت برداشت کرنا، اہل خانہ اور ملک کے دفاع اور امن کی ذمہ داریاں اٹھانا، عدالتی فرائض کی انجام دہی (قضاء) اور ان جیسے بوجھل کام۔ الغرض مرد جسمانی بنیاد اور بدنی لحاظ سے عورت سے زیادہ طاقتور ہے اور اسلام نے اس (عورت) کی اس کی کمزوری کا لحاظ کیا ہے اور اس کا دفاع کیا اور ایسے متعین انداز میں اس کے حقوق بیان کیے ہیں کہ ان سے تجاوز کرنا بغیر نظام یا اللہ کی سزا (یعنی دنیا یا آخرت کی سزا) بھگتنے کے ممکن نہیں اور اس (اللہ) نے اس پر سے راہ خدا میں جہاد (جنگ) کی ذمہ داری ختم کردی ہے اس پر لازم نہیں کہ وہ جنگجو یا خفیہ فوج سے متعلق ہو اور وہ سرحدوں اور ساحلی علاقوں کی دیکھ بھال کرے، اس لئے کہ یہ اس کے جسمانی تقاضوں کے منافی اور فطری ذمہ داریوں سے متصادم ہے۔)

اسلام نے عورت کے ان فطری اور طبعی اعمال و وظائف کو نہ صرف دنیوی حوالہ سے ملحوظ رکھا ہے بلکہ اس کی نظر میں عورت کی مشقت و تکلیف اور ایثار و قربانی کا ہر ہر عمل خدا کی نظر میں عبادت اور جہاد کے برابر قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''أفما ترضى احد اكن أنها اذا كانت حاملا من زوجها، وهو عنها راض لها مثل اجر الصائم القائم فى سبيل الله، فاذا أصابها الطلق لم يعلم أهل السماء وأهل الأرض ما أخفى لها من قرة أعين، فاذا وضعت لم يخرج منها جرعة من لبنها، ولم يمص مصة الا كان لها بكل جرعة وبكل مصة حسنة، فان اسهرها ليلة كان لها مثل اجر سبعين رقبة تعتقهن فى سبيل الله''(9)

''کیا تم (عورتوں) میں سے کوئی اس پر رضامند نہیں کہ عورت جب اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور وہ اس سے مطمئن ہو تو حمل کے اس پورے عرصے میں ویسا ہی اجر و ثواب پائے جیسا اجر و ثواب ایک روزے دار اور اللہ کی راہ میں شب بیدار بندے کو ملتا ہے اور بچے کی پیدائش کے وقت درد کی تکلیف کے بدلے جو اجر و ثواب ہے اس کے بارے میں آسمان و زمین والے تو جانتے ہی نہیں کہ اس میں اس کی آنکھوں کے لئے کتنی راحت پوشیدہ ہے، جب وہ بچہ کو جنم دے لیتی ہے اور اسے اپنا دودھ پلا کر پالتی ہے تو دودھ کے ہر گھونٹ اور ہر چوسنے پر اس کو ایک ایک نیکی ملتی ہے اور جب بچہ اس کو رات بھر جگاتا ہے تو اس کا اجر، اللہ کی راہ میں ستر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ملتا ہے۔''

اسی طرح خواتین کی ہمت کو سراہتے ہوئے آپ نے ان کے اعلیٰ مقام کا یوں ذکر فرمایا:

''ان للمراة فى حملها الى وضعها و الى فصالها من الاجر كالمتشحط فى سبيل الله

وان هلكت فى مابين ذلك فلها اجر شهيد‘‘(10)

(ایک خاتون زمانہ حمل سے لے کر بچے کو جنم دینے تک اور پھر بچے کا دودھ چھڑانے کی مدت تک اس مجاہد کی طرح ہے جو مسلسل خدا کی راہ میں پہرہ دے رہا ہو اور اگر وہ اس دوران مرجائے تو شہید ہونے کا اجر پاتی ہے۔)

علاوہ ازیں اپنے بچوں کی تربیت میں جان کھپانے والی خاتون کے قابل رشک منصب کا اس طرح ذکر فرمایا:

’’انا وامرأة سفعاء الخدين كهاتين يوم القيمة واو مأيزيد بن زريع الى الوسطى والسبابة، امرأة آمت من زوجها ذات منصب وجمال حبست نفسها على يتا ماها حتىٰ بانوا اوماتوا‘‘(11)

’’قیامت کے روز میں (اور فکر وغم سے) جھلسے ہوئے رخساروں والی خاتون ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے۔ حدیث کے راوی حضرت یزید بن زریع نے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی اشارہ کرکے بتایا یعنی وہ خاتون جو شوہر سے محروم ہوگئی وہ ایک اونچے خاندان کی شریف اور حسین وجمیل لڑکی ہے۔ لیکن وہ اپنے یتیم بچوں کی (اچھی پرورش وتربیت) کی خاطر دوسرا نکاح کرنے سے باز رہی۔ یہاں تک کہ وہ بچے اس کی سرپرستی سے جدا ہو گئے یعنی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے یا دنیا سے رخصت ہو گئے۔‘‘

لہٰذا مرد وعورت کے مابین عائلی معاہدہ اور رشتہ ازدواج جب وجود میں آتا ہے تو اس سے ایک ایسی انتظامی اکائی وجود میں آتی ہے جس میں زوجین کے درمیان ان کی حیاتیاتی ساخت کے مطابق ایک فطری سماجی تقسیم کار وجود میں آتی ہے۔ چنانچہ مرد کے حصہ میں گھر کی نگرانی وحفاظت، اس کے مالیاتی وسائل کی فراہمی اور بیرون خانہ معاشرتی سرگرمیوں سے عہدہ برآ ہونا ہوتا ہے، جب کہ عورت کے حصہ میں خاندانی نظام میں نظم ونسق کا خیال رکھنا، گھریلو اثاثہ جات، اپنی عزت وعصمت اور افراد خانہ کی اخلاقی نگرانی اور دیکھ بھال ہوتی ہے اور زوجین کا باہمی مفاہمت کا اس طرح کا کردار گھر میں محبت وغمگساری اور سکون واطمینان کی فضا پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے جو مقصود نکاح ہے:

ارشاد خداوندی ہے:

’’وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً‘‘(الروم،21:30)

''اوراللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم میں سے ہی جوڑے پیدا کئے
تا کہ ان سے سکون پاؤ اور اس نے تمہارے مابین محبت و ہمدردی رکھ دی ہے۔''

اس حوالہ سے زوجین میں سے ہر ایک کا ''راعی'' (معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا) کا کردار نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور اسی بنا پر حدیث نبوی میں دونوں کو یہ عنوان (راعی) دے کر خاندانی نظام میں دونوں کی ذمہ دارانہ حیثیت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته، فالا میر الذی علی الناس راع و مسئول عن رعیته والرجل راع علی اهل بیته وهو مسئول عنهم والمرأة راعیة علی بیت بعلها وهی مسئولة''(12)

''آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنے زیر نگراں افراد کے بارے میں جواب دہ ہے۔ چنانچہ حکمراں جو تمام لوگوں پر مقرر ہے وہ نگران ہے اور اپنے زیر نظر افراد کے بارے میں جواب دہ ہے اور مرد اپنے اہل خانہ پر نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

''والمرأة راعیة فی بیت بعلها وولده وهی مسئولة عنهم''(13)

''اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہی ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

حدیث بالا اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ زوجین ''راعی'' ہونے میں مساوی حیثیت کے حامل ہونے کے باوجود اپنا اپنا دائرہ کار رکھتے ہیں اور ہر ایک کا دائرہ کار دوسرے سے ممتاز اور ترجیحی حیثیت رکھتا ہے اور کسی کو بھی اپنے دائرہ کار یعنی فرائض و اختیارات سے ہٹ کر دوسرے کے دائرہ کار کی آرزو اور خواہش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ احساس کمتری کی علامت ہے جو کسی طور انسانیت کے شایان شان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا تفریق تمام انسانوں کو مکرم و معزز قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''وَلَا تَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ وَ اسۡئَلُوا اللّٰہَ مِنۡ فَضۡلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا''(النساء،32:4)

''جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اس کی آرزو مت کرو، مردوں کو ان کاموں میں سے حصہ ملے گا جو انہوں نے انجام دیے اور عورتوں کو ان کاموں میں سے حصہ ملے گا جو انہوں نے کیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو، بلاشبہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

بعدازیں قرآن حکیم نے عائلی معاہدہ کے فریقین کی تقسیم کار کو یوں واضح کیا:

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ''(النساء،34:4)

''مرد، عورتوں کے قوّام ہیں اس لئے کہ اللہ نے انہیں ایک دوسرے پر ترجیح دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور نیک خواتین وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت گزار ہیں اور اللہ کی حفاظت ونگرانی میں نظروں سے اوجھل امور کی نگہداشت رکھتی ہیں۔''

عربی زبان میں قوام، متعلقہ امور کا انتظام وانصرام کرنے والے اور معاشی ذمہ داری اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ ابن منظور افریقی کہتے ہیں:

''انما ھو من قولھم قمت بأمرک فکأ نہ واللہ أعلم الرجال متکلفون بأمور النساء معینون بشؤونھن''(14)

''یہ لفظ عربوں کے اس جملہ سے تعلق رکھتا ہے کہ ''میں تمہارے معاملہ کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں'' تو گویا آیت کا مفہوم۔ واللہ اعلم۔ یہ ہوا کہ مرد، امور خواتین کے ذمہ دار اور ان کے معاملات میں اعانت کرنے والے ہیں۔''

واضح رہے کہ اسلام نے عدل کے تقاضے کے تحت عورتوں کے حقوق مردوں پر ویسے ہی لازم کیے جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں۔ چنانچہ عورت اپنے جان ومال کی ویسی ہی مالک قرار دی گئی جیسا کہ مرد ہے۔ اسی لئے وہ آزاد وخود مختار ہے کہ کوئی شخص اس کو نکاح کے لئے مجبور نہیں کرسکتا یہاں تک کہ باپ دادا بھی نہیں، بیوہ یا مطلقہ ہوکر بھی وہ خودمختار ہے کوئی اس پر جبر نہیں کرسکتا، وہ بھی مرد کی طرح وراثت سمیت تمام مالی حقوق کی حقدار قرار پائی۔

جس طرح ان حقائق کونظر انداز کرنا فسادِ معاشرہ کا سبب ہے اسی طرح مردوں کوعورتوں کی معاشی کفالت ودیکھ بھال اور سماجی نگہبانی سے علیحدہ کردینا بھی سماجی انتشار کا بہت بڑا سبب ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے عورتوں کے حقوق کو لازمی قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

''وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ''(البقرہ،228:2) (مردوں کا عورتوں پر ایک درجہ ہے۔)

معروف مصری سکالر الشیخ ابوزھرہ اس ''درجہ'' کی وضاحت میں کہتے ہیں:

''وجعلت هذه الدرجة للرجل، لأنه أقدر على فهم الحياة وما يجب لها بحكم اختلاطه في المجتمع العام، ولانه اقدر على ضبط عواطفه وتغليب حكم عقله، ولانه يشعر بالمضرة المالية وغيرها ان فسدت الحياة الزوجية او انقطعت''(15)

''یہ درجہ مرد کے لئے اس سبب مقرر کیا گیا ہے کہ وہ عام معاشرہ سے میل جول کے سبب زندگی اور اس کے لوازمات کی سوجھ بوجھ زیادہ رکھتا ہے اور اس بناء پر کہ اسے اپنے جذبات پر قابو پانے اور اپنی عقل کے حکم کو غالب رکھنے کی زیادہ صلاحیت حاصل ہے اور یہ کہ ازدواجی زندگی کی بربادی یا خاتمہ کی صورت میں مالی نقصان وغیرہ کا بھی اسے زیادہ ادراک ہوتا ہے۔''

واضح رہے مرد وعورت میں ایک درجہ کا فرق، سماجی نظام کے بقاء کے لئے ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم اس کا بنیادی انسانی امور میں فضیلت سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیا میں سماجی نظام، انسانی فطرت اور نسوانی مصلحت کا تقاضا قرار پاتا کہ مردوں کو عورتوں کی معاشی کفالت دیکھ بھال اور سماجی حفاظت ونگہبانی کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

آیت مبارکہ ''**الرجال قوامون على النساء**'' کی رو سے یہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ حمایت ودیکھ بھال کے سلسلہ میں خواتین کے نگہبان بنیں اور ان کی حفاظت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ قتال، مردوں پر فرض کیا گیا ہے خواتین پر نہیں کہ جنگ وقتال، انسانی تحفظ ودفاع کی ایک مخصوص صورت ہے۔ اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے اخراجات ہیں جب کہ عورتوں کے ذمہ نہیں، اسی بناء پر میراث میں مردوں کا حصہ زیادہ رکھا گیا ہے۔(16) لہٰذا عورت کی عزت وناموس کی حفاظت ودیکھ بھال، اس کے اخراجات اور معاشرۃ بالمعروف سے متعلق جائز مطالبات کی تکمیل مرد کے ذمہ ہیں اور حمل، ولادت، اولاد کی پرورش ودیکھ بھال اور گھریلو امور کی نگرانی عورت کے ذمہ ہے جو انسانی حوالہ سے بہت اہم، بنیادی اور عظیم کام ہے۔

اسی بنا پر عائلی معاہدہ کے استحکام کے لئے زوجین کے مابین تقسیم کار کے تحت بیوی کی پہلی ترجیح گھریلو

نظام کی دیکھ بھال قرار پاتی ہے کہ معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی گھر کا استحکام عورت کے وجود پر منحصر ہے اور گھر کی سلطنت کا سارا انتظام وانصرام عورت ہی بہترین اسلوب پر چلانے اور قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی''(الاحزاب،33:33)

''اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ جمی رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔''

سید قطب شہید وضاحت کرتے ہیں:(17)

گھروں میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کسی ضرورت اور ناگزیر کام کے لئے بھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور ہر وقت گھر سے ہی چمٹی رہے۔ بلکہ یہ ایک لطیف اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی زندگی میں اس کا اصل مقام اس کا گھر ہے اور یہی اس کا ٹھکانہ ہے۔اس کے علاوہ جہاں بھی جائے گی عارضی مقام ہوگا۔ کام کے بعد فوراً اپنے اصل ٹھکانے کی طرف واپس آئے گی۔عورت کا اصل ٹھکانہ اس کا گھر ہے وہیں اس کی عزت وآبرو ہے، وہیں اس کی شرافت وعزت ہے، وہیں اس کا وقار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو مرکز بنائیں۔

اسلام نے گھر کو اس کی صحیح فضا اور وہاں پر پرورش پانے والے بچوں کے لئے صحیح ماحول مہیا کرنے کے لئے مرد پر نفقہ فرض کیا ہے، اسے اس کا لازمی وظیفہ قرار دیا ہے۔ تاکہ ماں کے لئے اتنا وقت مہیا ہو سکے کہ وہ دل جمعی سے کمسن بچوں پر پوری توجہ صرف کر سکے، ان کی صحیح نگرانی کر سکے، گھر کا انتظام کر سکے اور اس میں آئندہ نسل کی خاطر اپنی خوشبو اور بشاشت بکھیر سکے۔ کیونکہ ماں کو اگر گھر کے لئے روزی کمانے پر لگایا جائے گا تو مزدوری کے تقاضوں سے تھک جائے گی اور اپنی اوقات کار کی پابندی میں مقید ہو کر رہ جائے گی اور اپنی ساری طاقت انہی کاموں میں صرف کر دے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گھر کو اس کی اصل فضا اور اس کے مطلوب خوشبو سے محروم رکھے گی اور گھر میں پرورش پانے والی آئندہ نسل کو اس کا حق نگرانی اور دیکھ بھال مہیا نہ کر سکے گی۔ خاندان کا استحکام، بچوں کی اچھی تربیت اور گھریلو زندگی کی برکتوں کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ مرد وعورت اپنے مقام اور ذمہ داریوں کا احسن ادراک کریں اور اپنا کردار بہترین انداز میں ادا کرنے کی سعی کریں۔

اسلام نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ تیار کیا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے، اقتصادی قوانین سے ہو یا اصول تہذیب سے اس میں کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس

حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ دین میں عبادات کی جس قدر اہمیت ہے اس سے ہر شخص واقف ہے، درحقیقت یہ روح دین وشریعت ہیں چنانچہ عبادات کو اجتماعی طور پر ادا کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مگر شریعت کی نگاہ میں اجتماعی عبادات میں شرکت سے زیادہ اس کی اہمیت ہے کہ عورت اپنے محاذ پر جمی رہے۔ اس کا کسی اجتماعی پروگرام سے علیحدہ رہنا معاشرہ کے لئے اتنا نقصان دہ نہیں ہے جتنا کہ اس کا اپنے مرکز کو چھوڑ ناضرررساں ہوسکتا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں مردوں کو باجماعت ادائیگی سے اجتناب پر انتہائی زجروتوبیخ کی گئی۔ لیکن خواتین کی سہولت کی خاطر ان کے لئے زیادہ موزوں قرار دیا گیا کہ وہ اپنے گھر کے کسی گوشے کو اپنی عبادت گاہ بنائیں تاکہ ان پر غیرضروری بوجھ نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:(18)''**خير مساجد النسآء قعر بيوتهن**''

''عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔''

نماز جمعہ جو نہ صرف اجتماعیت کا مظہر ہے بلکہ افراد ملت کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور دینی تعلیمات اور ہدایات سے روشناس کرانے کا بھی ایک بہترین ذریعہ ہے، لیکن شریعت نے خواتین کی مصروفیات کا لحاظ کرتے ہوئے اس اجتماعی طریق عبادت سے بھی ان کو مستثنٰی قرار دیا ہے۔ نماز کے علاوہ جہاد بالسیف جیسا اہم فرض صرف مردوں پر عائد کیا گیا۔ اس کٹھن مرحلے پر بھی خواتین کو اپنے فطری محاذ پر جمے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ اگرچہ احادیث سے خواتین کے جہاد میں شرکت اور اجازت بھی ثابت ہے۔ لیکن اس کو ان کی اساسی ذمہ داری قرار نہیں دیا گیا بلکہ اُن کی بنیادی ذمہ داری خاندانی نظام کی صحت مند تشکیل متعین کی گئی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:(19) ''تم اپنے گھروں میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے خواتین کے جذبہ جہاد کو دیکھتے ہوئے اس کو بروئے کار لانے کا طریقہ یوں بتایا کہ اگر وہ حج کی سعادت حاصل کریں تو وہ بھی جہاد کا سا اجر پائیں گی، چنانچہ ارشاد ہوا:(20)''**جهاد كن الحج**''

حتی کہ خواتین اگر گھروں میں رہتے ہوئے اپنے شوہروں کے عمل جہاد کے دوران اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں مصروف ہیں تو انہیں بھی جہاد پر نکلنے والے مردوں کے ساتھ اجر میں شریک قرار دیا گیا۔ اس امر کی وضاحت قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت سے ہوتی ہے:

''**لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا**''(الفتح،5:48)

''اس نے نمایاں فتح اس لئے عطا کی) تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ رہنے کے لئے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان کی برائیاں ان سے دور کرے اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں بالعموم اہل ایمان کے اجر کا ذکر مجموعی طور پر کیا جاتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کو اجر ملنے کی الگ الگ تصریح نہیں کی جاتی۔ لیکن یہاں (عمل جہاد کے دوران) چونکہ یکجائی سے ذکر کرنے پر یہ گمان پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید یہ اجر صرف مردوں کے لئے ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے متعلق الگ صراحت کردی کہ وہ بھی اس اجر میں مومن مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے جن خدا پرست خواتین نے اپنے شوہروں، بیٹوں، بھائیوں کو اس خطرناک سفر (فتح مکہ) پر جانے سے روکنے اور آہ وفغاں کرنے کی بجائے ان کی ہمت افزائی کی، اُن کے حوصلے بڑھائے، اُن کے گھر، اُن کے مال، اُن کی عزت وآبرو اور اُن کے بچوں کی محافظ بن کر انہیں اس طرح سے بے فکر کردیا جنہوں نے اس اندیشے سے بھی کوئی واویلہ نہ مچایا کہ چودہ سو صحابیوں کے یک لخت چلے جانے کے بعد کہیں گردوپیش کے کفار ومنافقین شہر پر نہ چڑھ آئیں۔ وہ یقیناً گھر بیٹھنے کے باوجود جہاد کے اجر میں اپنے مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہی ہونی چاہیے تھیں۔(21)

قرآن حکیم کی نظر مین نکاح کے عائلی معاہدہ کی اساس ''معاشرۃ بالمعروف'' پر استوار ہوتی ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنے شریک حیات کے ساتھ معروف طریقہ سے زندگی بسر کرے۔ ایک دوسرے کی ناگوار باتوں پر نامناسب ردِعمل کے اظہار کی بجائے اپنے اندر وسعت نظری، باہمی تعاون ومفاہمت اور تحمل وبرداشت کے رویہ کو پروان چڑھائے اور زوجین ایک دوسرے کی ظاہری یا جزوی خامیوں کے برعکس پائیدار خوبیوں پر نظر رکھیں اور عائلی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنائیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے طبعی ناگواری کے باوجود معاشرۃ بالمعروف کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر خیر کثیر (بہت بڑی بھلائی) کا ذکر کیا ہے اور معاشرہ کے لئے ایک مستحکم، پائیدار اور متوازن عائلی نظام یقیناً خیرِ کثیر ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا''(النساء،19:4)

نکاح کے عائلی معاہدہ کے نتیجہ میں بیوی کو یہ شرعی اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے فطری تقاضہ کے مطابق گھر میں رہے اور اسے غیر خانگی سرگرمیوں کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔قرآن حکیم میں ان خواتین کے بارے میں جو طلاق کے نتیجہ میں عدت کا عرصہ گزار رہی ہوں کہا گیا کہ ان کو گھروں سے نہ نکالا جائے اور نہ وہ ازخود نکلیں سوائے اس کہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب عمل میں آئے کہ دل آزار زبان درازی پر اتر آئیں یا کوئی اور ناگفتہ بہ صورتحال پیش آجائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ''(الطلاق،1:65)

توجب ازدواجی رشتہ ختم ہونے کے باوجود عورت کو حالت عدت میں گھر میں رہنے کا حق حاصل ہے اور اسے گھر بدر کرنے کی اجازت نہیں تو لازماً عائلی معاہدہ کے برقرار رہنے کی صورت میں بیوی کا یہ حق اور اختیار مزید مسلم ہے کہ اسے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ نکاح کے عائلی معاہدہ کے نتیجہ میں کیا بیوی اس امر کی پابند ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کرے۔تو اس سلسلہ میں شیخ ابوزھرہ،امام ابوحنیفہ،امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں:

''ان عقد الزواج للعشرة الزوجية لا للاستخدام وبذل المنافع''(22)

(عقد نکاح،ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لئے ہے خدمت کے حصول اور مفاد پانے کے لئے نہیں ہے۔)

گویا نکاح کے عائلی معاہدہ کا براہِ راست شرعی تقاضا یہ نہیں ہے کہ بیوی گھریلو خدمت انجام دے۔یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو رہائش کے قابل اور ضروریات سے آراستہ گھر سمیت بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ''(الطلاق،6:65)

''اپنی وسعت کے مطابق بیویوں کو سکونت ورہائش فراہم کرو جیسے خود رہائش رکھتے ہو۔''

فقہاء کرام کی رائے میں معاشرۃ بالمعروف کا تقاضا ہے کہ اگر شوہر مالی استطاعت رکھتا ہو تو وہ بیوی کو خدمتگار مہیا کرے اور اس کے اخراجات ادا کرے۔خاص طور پر بیماری کی حالت میں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے،حتیٰ کہ امام ابویوسف اور ابوثور کی رائے میں شوہر کی مالی حیثیت اجازت دیتی ہو تو اس کے ذمہ دو خدمتگاروں کا

اہتمام ضروری ہے کہ ایک اندرون خانہ کے کام کرے اور دوسرا بیرون خانہ امور کو انجام دے۔(23)

تاہم بیوی کی طرف سے بذات خود گھریلو امور کی انجام دہی کا تعلق ان معاشرتی امور سے ہے جو زوجین کی باہمی مفاہمت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کا تعلق ایسی شرعی ذمہ داریوں سے نہیں ہے کہ شوہر یا سسرال، عورت سے اس کا تقاضہ کریں اور عدم انجام دہی پر کوئی تعزیری اقدام کریں، اسی طرح بیوی کو بھی خاندانی نظام میں تعاون سے دست کش نہیں ہونا چاہیے اور گھریلو امور کی انجام دہی میں تعاون اور مفاہمت کا رویہ خوشگوار زندگی کا باعث بنتا ہے کہ خاندان کا ادارہ درحقیقت دو افراد کے باہمی میل جول اور ان کے درمیان متوازن معاشرتی حیثیت سے تشکیل پاتا ہے، ان میں حاکم ومحکوم اور آقا وغلام کے رشتہ کی بجائے زوجیت کا رشتہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمسر اور جوڑ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عربی زبان میں ''زوج'' کا اطلاق مرد وعورت پر یکساں ہوتا ہے، جس سے دونوں کی مساوی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ادارہ (خاندان) دو افراد کے مابین ایک مساوی معاہدہ سے وجود پذیر ہوتا ہے، جس کی رو سے فریقین پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک فریق کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے کی معاشی وسماجی ضروریات کی کفالت ونگہبانی کرے تو اس کے جواب میں دوسرے فریق کی ذمہ داری ہے کہ وہ خانگی امور کے انتظام وانصرام کی نگرانی کرے کیونکہ باہمی تعاون سے ہی ادارے پروان چڑھتے ہیں اور خواتین اس حوالہ سے خصوصی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر وہ اس کو باہمی تعاون کی روح کے مطابق ادا کرتی ہیں تو اس سے گھریلو امور میں نکھار آتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں صحابیات کے گھریلو امور کی انجام دہی کے واقعات کا ذکر موجود ہے:

حضرت فاطمہ الزہرہؓ، جو رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح کے بعد گھریلو کام کیا کرتی تھیں حتیٰ کہ آٹے کی چکی چلانے کے سبب ان کے ہاتھوں پر نشانات پڑ گئے تھے۔(24) اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ اپنے شوہر (حضرت زبیر بن عوامؓ) کے گھر کے تمام امور سنبھالتی تھیں حتی کہ ان کے گھوڑوں کے تمام معاملات کی دیکھ بھال بھی کرتی تھیں۔ ان کے الفاظ ہیں:

''فکنت أعلف فرسه واستقی الماء وأخرز غربه وأعجن''(25)

''میں ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی لے کر آتی اور ڈول کھینچتی اور آٹا گوندھا کرتی تھی۔''

موجودہ دور میں معاشی کساد بازاری اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب بسا اوقات شوہر کو اس قدر آمدنی نہیں ہوتی کہ وہ اس میں اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کر سکے۔ ایسے میں اگر بیوی گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لئے اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانا چاہے تو اس سے یقیناً شوہر کو ذہنی دباؤ سے نجات مل سکتی ہے۔ کیونکہ قلیل آمدنی کے

سبب شوہر کے لئے اپنی بیوی اور دیگر اہل وعیال کی جائز ضروریات کی تکمیل موجودہ مادی دور میں ایک پریشان کن معاشی، نفسیاتی اور عائلی مسئلہ بن چکا ہے جس سے گھریلو سکون بری طرح متاثر ہوتا ہے، گو معاشی ضروریات کی فراہمی بنیادی طور پر شوہر کی ذمہ داری ہے اور بیوی اس سے مستغنی ہے۔ لیکن بیوی کا گھر میں معطل عضو بن کر رہنا بھی مقصود نہیں ہے اور اس کی عملی مصروفیات کئی لحاظ سے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامی لکھتے ہیں:

''اما العمل الذی لاضرر له فیه فلا وجه لمنعها منه خصوصافی حال غیبته من بیته فان ترک المرأة بلا عمل فی بیتها یؤدی الی وساوس النفس والشیطان اوالا شتغال بما لا یعنی مع الاجانب اوالجیران.(26)''

''جس کام سے شوہر کو کوئی نقصان نہ ہو رہا ہو تو بیوی کو اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، خاص طور پر جب شوہر گھر سے دور بھی ہو، کیونکہ عورت کا اپنے گھر میں بغیر کام کاج کے رہنا نفس اور شیطان کے وسوسوں کا باعث بن سکتا ہے یا آس پڑوس کے ساتھ بے مقصد مصروفیت کا سبب ہو سکتا ہے۔''

عام حالات میں جس طرح شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو سماجی اور معاشی تحفظ اور پرسکون فراہم کرے اسی طرح بیوی سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ گھریلو نظم وضبط کا مظاہرہ کرے۔ کیونکہ خاندانی نظام کی سربراہی مرد کے ذمہ ہے اور کسی بھی نظام کی کامیابی اس میں نظم وضبط کے قیام پر ہی ہوتی ہے۔ فوضویت، انارکی اور انتشار سے کسی بھی ادارہ کو نقصان ہی پہنچتا ہے جیسا کہ ایک عرب شاعر الافوہ الاودی کا کہنا ہے:

لایصلح الناس فوضی لاسراة لهم

ولا سراة اذا جهالهم سادوا(27)

''لوگ انتشار کی حالت میں درست نہیں رہ سکتے کہ ان کے سربراہ نہ ہوں (یعنی کوئی نظام نہ ہو) اور جب جاہل اور بدخو لوگ سربراہ ہوں تو بھی ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔''

لیکن نظم وضبط کے نام پر شوہر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کو سماجی طور پر ایک الگ تھلگ کر کے رکھ دے اور اس کو قید تنہائی جیسی صورتحال سے دوچار کر دے، لہٰذا اگر بیوی اپنے والدین سے ملاقات کے لئے جانا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اسے اس مقصد کے لئے گھر سے باہر جانے کا شرعی اختیار حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے اس سلسلہ میں ہفتہ وار ملاقات کا تعین کیا ہے تا کہ سماجی اور خانگی معاملات میں توازن رہے۔ اسی طرح دیگر انتہائی

قریبی اعزہ جن کو ذی رحم محرم کہا جاتا ہے جیسے چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ کی ملاقات کے لئے سالانہ یا ماہانہ بنیاد پر ملاقات کو اس کا حق اور صلہ رحمی کا تقاضا قرار دیا ہے اور اس سے منع کرنے کو قطع رحمی بتلایا ہے، نیز واضح کیا ہے کہ شوہر کی طرف سے والدین سے ملاقات نہ کرنے کے تقاضہ کی تعمیل بھی درست نہیں ہوگی کہ خالق کی معصیت و نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں شیخ ابوزھرہ کے الفاظ ہیں:

''امـا اذا كانت تريد زيارة ذی رحم محرم منها، فان كان أحد أبويها فلها زيارته، ولو لـم يـأذن زوجهـا، كـل اسبوع، اويكون احد هما فی حال مرض فلها ان تعود، من غير قيد لأن ذالک صـلة الـرحـم، ومـنعها قطع الرحم ولاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق، وان كان غير أ بويها فلها أن تزورهم كل سنة مرة وقيل كل شهر''(28)

گویا بیماری کی صورت میں ایام کی قید کے بغیر عیادت کے لئے اور عام حالات میں والدین سے ہفتہ وار ملاقات کے لئے اسے گھر سے باہر نکلنے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں، تاہم بیرون گھر رات کے قیام کی صورت میں خانگی اطمینان وسکون کے لئے شوہر کو اعتماد میں لیا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر والدین میں سے کسی کو اپنی بیماری کے سبب دیکھ بھال کی ضرورت ہو اور اس مقصد کے لئے کوئی اور دستیاب نہ ہو تو بھی ضرورت کے مطابق ان کے پاس قیام کا اختیار بیوی کو حاصل ہوگا۔

استاد ابوزھرہ اس کی یوں ترجمانی کرتے ہیں:

''واذا كـان احد ابويها مريضا ولم يجدمن يتعهده سواها فلها ان تتعهده، وتقيم عنده بـقـدر حـاجتـه من التعهد من غير ان تكون عاصية أو آثمة سواء كان ابوها مسلما أم كان غير مسلم لأن الاحسان الى الأبوين لايشترط فی وجوبه الاسلام''(29)

''اگر والدین میں سے کوئی بھی بیمار ہو اور اس (عورت) کے علاوہ کوئی اور ان کی دیکھ بھال کے لئے موجود نہ ہو تو وہ ان کی دیکھ بھال کا حق رکھتی ہے اور دیکھ بھال کی ضرورت کے مطابق ان کے ہاں قیام کر سکتی ہے اور اس سلسلہ میں وہ نافرمان اور گنہگار شمار نہ ہوگی۔ خواہ والدین مسلمان ہوں یا غیر مسلم کیونکہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے لئے ان کے اسلام کی کوئی شرط نہیں ہے۔''

اس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ضروریات وحاجیات کی تکمیل کے لئے کہ اسلام خواتین کو

گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ پردے کے احکام اور صحابیات کا ان پر عمل اس پر گواہ ہے۔مزید برآں نبی کریم ﷺ کی واضح حدیث میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ:

''انه قد اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن''

''اللہ نے تم (عورتوں) کو اپنی ضرورت کی خاطر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔''

اس وحی کا پس منظر بتاتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''خرجت سودة بعد ماضرب عليها الحجاب لتقضى حاجتها، وكانت امرأة جسيمة تفرع النساء جسما لا تخفى على من يعرفها فرآها عمر بن الخطاب فقال ياسوده واللّٰه ماتخفين علينا فانظرى كيف تخرجين، قالت فانكفأت راجعة ورسول اللّٰه ﷺ فى بيتى وانه ليتعشى وفى يده عرق فدخلت فقالت يارسول اللّٰه انى خرجت فقال لى عمر كذاكذا، قالت فاوحى اليه ثم رفع عنه وان العرق فى يده ماوضعه، فقال انه قدا ذن لكن ان تخرجن لحاجتكن''(30)

''ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ پردہ کا حکم نافذ ہونے کے بعد اپنی حاجت کی تکمیل کے لئے گھر سے باہر نکلیں اور وہ بھاری بھرکم خاتون تھیں اور عورتوں میں اپنے ڈیل ڈول کی وجہ سے نمایاں تھیں۔جس کی وجہ سے شناسا لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ ان کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے دیکھ لیا تو کہا اے سودہ! بخدا آپ ہم سے مخفی نہیں رہ سکتیں۔لہٰذا دیکھ لیں آپ کیسے باہر نکلیں گی۔(کہ کوئی پہچان نہ سکے) حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ وہ اسی وقت واپس پلٹ پڑیں۔اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے اور رات کا کھانا تناول کررہے تھے۔آپ کے ہاتھ میں گوشت کی ہڈی تھی۔ چنانچہ حضرت سودہؓ اندر آگئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ کے رسول! میں گھر سے باہر نکلی تھی تو حضرت عمرؓ مجھے اس اس طرح کہا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اترنے لگی اور پھر وہ کیفیت ختم ہوئی اور ہڈی بدستور آپ کے ہاتھ میں تھی۔جس کو آپ نے رکھا نہیں پھر فرمایا کہ تمہیں اپنی حاجت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔''

چنانچہ عہد نبوی میں خواتین ذاتی تقاضوں کے علاوہ سماجی تقاضوں کے تحت بھی گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ انصار کی خواتین کی ستائش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ دین کی گہری سوجھ بوجھ حاصل کرنے میں روایتی حیاء ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ان کے الفاظ ہیں:

''نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین''(31)

چنانچہ وہ دین کی اعلیٰ سمجھ حاصل کرنے کے لئے علمی مجالس میں شریک ہوتی تھیں۔ جو عام طور پر گھر سے باہر اور مسجد نبوی ﷺ میں ہوا کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتیں۔ بلکہ اس مقصد کے لئے خود خواتین نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ کے پاس ہمارے مقابلہ میں مرد غالب رہتے ہیں لہٰذا ایک دن ان کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو آپ نے ان سے ملنے اور وعظ و ہدایات کے لئے ایک دن کا وعدہ کیا، چنانچہ آپ اس دن کو وعظ و نصیحت فرماتے اور احکامات ارشاد فرماتے تھے۔

اس کا ذکر حضرت ابو سعید خدریؓ یوں فرماتے ہیں:

''قال النساء للنبی غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعد ھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن و امرھن''(32)

الغرض مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج واضح ہوتے ہیں:

1۔ انسانی اعمال کی قدر و قیمت اور جزا و سزا کے حوالہ سے مرد و عورت مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم سماجی زندگی، مرد کے فعالی اور عورت کے انفعالی رویوں سے ترتیب پاتی ہے۔ اس لئے مرد و عورت کی ذمہ داریوں کے تعین میں ان کی حیاتیاتی ساخت کو پیش نظر رکھا جانا ایک فطری تقاضا ہے۔ اسی بنا پر عورت کی ولادت، رضاعت کی ذمہ داریوں کو اعلیٰ درجہ (فی سبیل اللہ) کی نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے اور خواتین کو ان کی صنفی ضروریات کے سبب کئی معاشرتی ذمہ داریوں سے استثناء دیا گیا ہے۔

2۔ زوجین خاندانی نظام کی دیکھ بھال (رعی) میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب کہ اسلامی شریعت میں تقسیم کار کے اصول کے تحت شوہر کو قوامیت اور بیوی کو حفاظت غیب کی ذمہ داری تفویض کی گئی ہے۔

3۔ فقہاء کرام کی نظر میں معاہدہ نکاح ازدواجی زندگی کو حسن معاشرۃ کے اصول پر استوار کرتا ہے نہ کہ شوہر کو بیوی سے گھریلو خدمت کے حصول کا استبدادی اختیار عطا کرتا ہے۔ نیز بیوی کے حقوق کا تعین اس کے فرائض کے تناسب سے ہے اس لئے حقوق کے مقابلہ میں فرائض کا زیادہ بوجھ خلاف عدل ہے۔

4۔ بیوی کو بیرون خانہ سرگرمیوں کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا، تمام تر ضروریات زندگی کے ساتھ خانہ نشینی اس کا حق ہے جس کا احترام کیا جانا ضروری ہے اور شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مالی استطاعت کے مطابق بیوی کو خدمت گار مہیا کرے، جو گھریلو امور انجام دے۔ تاہم تعاون باہمی کے اصول کے تحت گھریلو امور کی انجام دہی،

بیوی کا ایسا اختیار ہے۔جس کے بروئے کار آنے سے خاندانی نظام میں استحکام اور نکھار پیدا ہتا ہے۔

5۔ خاندانی نظام میں بیوی، اپنے والدین اور قریب ترین رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے ان کے ہاں آنے جانے کی شرعاً مجاز ہے اور اس کو اپنے والدین کی تیمارداری کے لئے ان کے پاس رہنے کا حق حاصل ہے۔نیز عورت،حصول علم اور دیگر تعمیری تقاضوں کے لئے بیرون خانہ جانے کا شرعاً اختیار رکھتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ مفتی محمد شفیع (م1976ء)،معارف القرآن،کراچی،ادارۃ المعارف،1427ھ،سورۃ الاحزاب آیت نمبر35

2۔ ابوداؤد،السنن،ج1،ص61،باب فی الرجل یجد البلة فی منامه،حدیث نمبر236

3۔ ابن قیم الجوزیہ،محمد بن ابی بکر،شمس الدین (م751ھ)اعلام الموقعین عن رب العالمین (تحقیق عبدالسلام ابراہیم) بیروت،دارالکتب العلمیہ ،ج1،ص201

4۔ ابن عابدین،محمد امین بن عمر الشامی (م1252ھ)،ردالمحتار،علی الدر المختار ،بیروت،دارالفکر 1412ھ،ج1،ص145،سنن الوضوء

5۔ مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،سورۃ البقرہ،آیت نمبر228

6۔ البیضاوی،عبداللہ بن عمر،ناصر الدین(م685ھ)،انوار لتنزیل و اسرار التاویل،(تحقیق محمد عبدالرحمٰن المرعشلی)، بیروت،داراحیاء التراث العربی،1418ھ،ج1،ص144،سورۃ البقرہ،آیت نمبر232

7۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی (م1176ھ)،حجة الله البالغه،(تحقیق محمد احسن النانوتوی) کراچی،قدیمی کتب خانہ،داراحیاء التراث العربی،1418ھ،ج1،ص129

8۔ محمد یوسف عبد،الدکتور (معاصر)قضایا المرأة فی سورة النساء،کویت،دارالدعوۃ1985ء،ص43,44

9۔ الطبرانی،سلیمان بن احمد،ابوالقاسم(م360ھ)، المعجم الاوسط،تحقیق،طارق بن عوض اللہ وغیرہ) قاہرہ، دارالحرمین،ج7،ص20،حدیث نمبر6733

10۔ عبد بن حمید،عبدالحمید بن حمید(249ھ)،المسند،(تحقیق صبحی البدری وغیرہ) قاہرہ،مکتبہ السنہ،1408ھ، احادیث ابن عمر،ج1،ص255،حدیث نمبر801

11۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث السجستانی (م275ھ)السنن،(تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید)،بیروت،المکتبہ العصریہ،باب فضل من عال الیتامی،ج4،ص338،حدیث نمبر5149

12۔ البخاری،محمد بن اسماعیل،ابوعبداللہ(م256ھ)الجامع الصحیح ،(تحقیق،محمد زہیر بن ناصر)مصر،دار

طوق النجاۃ 1422ھ کتاب النکاح، باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجہا، ج7،ص31

13۔ ایضاً

14۔ ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، ابوالفضل، جمال الدین (م 711ھ) **لسان العرب**، بیروت، دارصادر، 1414ھ، مادہ ''قوم''، شوہر کو ''قیم المرأۃ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ شوہر اس کی اور اس کی ضروریات کی نگہبانی کرتا ہے۔

15۔ ابوزہرہ، محمد بن احمد، الاستاذ، (م1394ھ)، **الاحوال الشخصیہ**، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 1407ھ،ص170

16۔ الثعلبی، احمد بن محمد بن ابراہیم (م427ھ) **الکشف والبیان عن تفسیر القرآن**، (تحقیق، محمد بن عاشور) بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1422ھ،ج3،ص302

17۔ سید قطب ابراہیم حسین الشاربی شہید (م1385ھ)، **فی ظلال القرآن**، بیروت، دارالشروق 1412ھ، سورۃ الاحزاب

18۔ احمد بن حنبل الشیبانی (م241ھ)، **المسند**، (تحقیق، شعیب الارنؤوط وغیرہ) بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، 1421ھ، ج44،ص165، حدیث ام سلمہ،نمبر 26542

19۔ ایضاً، 40،ص458، حدیث عائشہ،نمبر 24393

20۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، باب جہاد النساء، حدیث نمبر 2875

21۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید (م1979ء)، **تفہیم القرآن**، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت 1987ء، سورۃ الفتح، ج5،ص47

22۔ ابوزہرہ، **الاحوال الشخصیہ**،ص173

23۔ وھبۃ الزحیلی، الدکتور (معاصر) **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، کوئٹہ، المکتبۃ الرشیدیہ، ج10،ص7373

24۔ معمر بن راشد الازدی البصری (م153ھ)، **الجامع** (تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی) کراچی، مجلس علمی 1403ھ، ج11،ص33، حدیث نمبر 19828

25۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، باب الغیرۃ، ج7،ص35، حدیث نمبر 5224

26۔ ابن عابدین الشامی، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ج3،ص603

27۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین (م911ھ)، **المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا**، (تحقیق، فؤاد علی منصور) بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1418ھ، ج1،ص129، باب الاجازۃ

28۔ ابوزہرہ، **الاحوال الشخصیہ**،ص172

29۔ ایضاً

30۔ مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، ج4،ص1709،حدیث نمبر2170

31۔ ایضاً، ج1،ص261،حدیث نمبر332

32۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ، ج1،ص32،حدیث نمبر101